تلخیص و ترجمہ

چین کے مسلمان

ایک مشہور حدیث ہے "تم علم حاصل کرو اگرچہ وہ چین میں ہو" اس حدیث کی وجہ سے تمام مسلمان چین کے نام سے واقف ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی عرب اور چین میں تجارتی تعلقات تھے۔ اسلام کے بعد پہلی صدی ہجری میں یہ تعلقات اور روابط اور زیادہ بڑھ گئے۔ اس زمانہ میں چین کا فرمانروا ٹانگ (Tang.) خاندان تھا۔ چین کی متداول تاریخوں میں عرب اور مسلمانوں کا ذکر سب سے پہلے اس طرح آتا ہے "ٹانگ خاندان کے اوائل عہد حکومت میں چین کے شہر کانٹون میں مدینہ سے اجنبیوں کی ایک بڑی جماعت آئی۔ یہ لوگ رب السموات کی عبادت کرتے تھے۔ ان کی عبادت گاہوں میں بت، مجسمے یا اور کسی قسم کی کوئی تصویر نہیں پائی جاتی، یہ لوگ نہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں اور نہ شراب پیتے ہیں۔ اور جس جانور کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے اس کا کھانا بھی حلال نہیں سمجھتے ہیں۔ انھوں نے شہر کانٹون میں بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائی ہیں۔ جب سے شاہ چین (فغفور) نے ان کو چین میں قیام اور توطن کی اجازت دی ہے۔ یہ سب لوگ خوش حال اور دولتمند ہیں۔ ان کی جماعت کا ایک امیر ہوتا ہے اور یہ سب اس کی اطاعت کرتے ہیں" یہ پہلا بیان ہے جو چین کی تاریخوں میں مسلمانوں کے یہاں آنے کے متعلق ملتا ہے۔

عرب میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور اس کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا تو چین کے بادشاہ اس کو بڑی توجہ اور اہتمام سے دیکھنے لگے اور انھوں نے اس حکومت کے دشمنوں کے ساتھ سازباز کرنے سے ہمیشہ گریز کیا۔ چنانچہ ایران کے آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کے لڑکے فیروز نے جب عربوں کے

خلاف جنگ کرنے کے لئے چین سے مدد طلب کی تو شاہ چین نے اس کو بلطائف الحیل ٹال دیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے برعکس اہل چین نے خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس اپنا ایک سفیر بھیجا جس کے جواب میں ۳۱ھ میں حضرت عثمانؓ نے اپنی فوج کے ایک جنرل کو چین روانہ کیا۔ اس کے بعد ۹۶ھ میں عرب اور چین میں اسی طرح کا مبادلہ سیاسی ہوا۔ جبکہ قتیبہ بن مسلم نے ایک وفد چین بھیجا اس کے پینتالیس سال بعد مسلمانوں کا ایک وفد جو کم سے کم ۱۹ ممبروں پر مشتمل تھا پھر چین گیا۔ اس وفد کی حیثیت بھی سیاسی تھی۔ خلفا بنی عباس میں سے ابوالعباس، ابوجعفر اور ہارون وغیرہم کے زمانوں میں اسلامی سفرا برابر چین آتے رہے۔ یہاں کے لوگ ان مسلمانوں کو "سیاہ پوش" کہتے تھے۔ کیونکہ بنو عباس کا شعار سیاہ لباس تھا۔ ہارون کے عہد میں جو سفرا چین آئے تھے انھوں نے چین کی حکومت سے ایک جنگی معاہدہ بھی کیا تھا۔

چین کی تاریخی روایتوں سے جو اس زمانہ سے متعلق ہیں مسلمانوں کے یہاں آنے کے بارہ میں کچھ اور مفصل معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً جب مسلمان یہاں گروہ در گروہ آتے تھے تو ان کے ساتھ ان کی مقدس کتابیں بھی ہوتی تھیں جو شاہ چین کے کتب خانہ کی ایک مخصوص الماری میں بڑی حفاظت سے رکھی جاتی تھیں۔ اسی وقت سے ان لوگوں کا مذہب (اسلام) تانگ کی مملکت میں پھیلنا شروع ہوا۔ اور لوگ علانیہ اسلام کے ارکان واعمال ادا کرنے لگے۔"

چین میں مسلمان تاجر | جن مسلمانوں نے چین میں توطن اختیار کر لیا تھا اُن میں بڑی تعداد اُن سوداگروں کی تھی جو عراق کی بندرگاہوں ابلہ اور سیراف سے سمندری راستے سے آئے تھے۔ چین کا شہر کانٹو جو عربوں کے نزدیک خانفو کے نام سے معروف تھا۔ ان کا ابتدائی مرکز تھا۔ اس بحری راستے کے علاوہ دوسرا راستہ جس سے مسلمان تاجر چین پہونچتے تھے۔ خشکی کا وہ راستہ تھا جو ایشیا رمتوسطہ میں سے گذرتا ہوا یہاں پہنچتا ہے۔ اس راستہ سے مسلمان تاجر (شہر سی نان فو (Si-nan-pu.) پہنچتے تھے جو اس زمانہ

میں چین کا دارالسلطنت تھا۔ اور جس کو عرب سوداگر حمدان کہتے تھے۔ یہ شہر مسلمانوں کا دوسرا مرکز تھا۔

۲۳۷ھ میں سلیمان تاجر اور اس کے ہم عصر ابوزید سیرافی نے چین کے ان مسلمان تاجروں کی دوکانوں اور سوسائیٹیوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اسی ذیل میں ان کا بیان ہے کہ شاہ چین نے مسلمانوں کے معاملات وخصومات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک قاضی مقرر کر رکھا تھا جو نماز میں ان کی امامت بھی کرتا تھا اور اس کے فیصلے سب کے نزدیک پسندیدہ ہوتے تھے۔ ۲۹۴ھ میں جب ٹانگ کے خاندان کا اقتدار جاتا رہا تو اگرچہ کچھ دنوں کے لئے عالم اسلام اور مملکت چین میں وہ پہلا سا ارتباط واتصال باقی نہیں رہا۔ تاہم ان تعلقات کا بالکل خاتمہ نہیں ہوا۔ کیونکہ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سونگ (Sung.) خاندان کے عہد حکومت میں جو ٹانگ خاندان کے بعد برسر اقتدار آیا تھا، عربوں نے چین میں تقریباً بیس وفد بھیجے تھے۔ سونگ خاندان کے عہد میں شہر کانٹون کی اہمیت ایک تجارتی مرکز کی حیثیت سے کم ہوگئی تھی۔ اور اس کے بجائے چین کا ایک اور شہر جس کو ابوالفدا اس کے چینی نام شنجو (Shingu) سے یاد کرتا ہے۔ تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ عرب کے اکثر علماء جغرافیہ اور سیاح اس شہر کو زیتون کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ابن بطوطہ چین میں ۷۴۶ھ میں شہر زیتون میں مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ بھی آیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن بطوطہ نے چین کے پرانے شہر کانٹون جس کو وہ اصل چین کہتا ہے۔ اس کی اور پیکنگ اور خان بالق کی زیارت کی اور جہاں کہیں گیا اسے مسلمانوں کی خوش حال اور با ثروت جماعتیں ملیں۔ یہاں کے چینی مسلمانوں اور خود حکومت چین نے ابن بطوطہ کی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے "چین کے بڑے بڑے شہروں میں سے ہر شہر میں مسلمانوں کی ایک الگ آبادی ہے جہاں ان کی مسجدیں ہیں اور ان کی سوسائیٹیاں ہیں۔ ان کو اس ملک میں بڑی عزت ووقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ چین کے ہر شہر میں ایک شیخ الاسلام ہے جو مسلمانوں کے تمام جماعتی کام انجام دیتا ہے

اور ایک قاضی ہوتا ہے جو مسلمانوں کے معاملات وخصومات کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہاں کی زراعت کے متعلق ابنِ بطوطہ کا بیان ہے کہ چین اس معاملہ میں مصر کا ہم سر ہے اور یہاں کے میوے دمشق کے میووں کی طرح لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ابنِ بطوطہ کہتا ہے "چین کا ملک ایک مسافر کے لئے دنیا میں سب سے زیادہ پُرامن وسکون اور خوش آیند ہے۔ ابنِ بطوطہ نے چین کے جن سربرآوردہ علما، تاجروں اور حکام سے ملاقات کی ہے ان سب کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ اس سے اور دوسرے ذرائع علم سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس زمانہ میں چین میں جو مسلمان آباد تھے ان میں کثرت سے وہ لوگ تھے جو عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں سے مشرق میں بلادِ ایران اور مغرب میں اندلس سے یہاں آکر رہنے لگے تھے۔

اوپر مسلمانوں کے لئے چین آنے کے جو دو راستے بیان کئے گئے ہیں (ایک خشکی کا۔ اور دوسرا بحری) ساتویں صدی میں ان کے علاوہ ایک اور تیسرا راستہ جو خشکی کا ہی تھا، کھلا اور اب مسلمان اس نئے راستہ سے بھی آنے لگے۔ لیکن یہ راستہ چین کے جنوب مغربی علاقہ میں پہنچاتا تھا اور چونکہ ابن بطوطہ نے ان علاقوں کو دیکھا نہیں تھا اس بنا پر اس نے یہاں کے مسلمانوں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

مسلمانوں اور چینیوں میں باہمی تعاون

اگرچہ مسلمانوں اور چینیوں میں تجارتی روابط وعلائق پہلے سے تھے لیکن اس کے علاوہ بھی ان دونوں قوموں میں معاشرتی تعلقات بہت خوشگوار اور عمدہ تھے جن کی بنیاد "یونان" میں رکھی گئی تھی۔ اس تعاون کی بہترین مثال شمس الدین عمر البخاری ہیں جو عام طور پر سید اجل کے لقب سے مشہور ہیں۔ شمس الدین عمر البخاری نے چینیوں کا اتنا اعتماد حاصل کرلیا تھا کہ وہ سنہ ۶۷۲ھ سے سنہ ۶۷۸ھ تک یونان کے حاکمِ اعلیٰ رہے۔ انھوں نے اپنے عہدِ حکومت میں چین کی بڑی بڑی ملکی خدمات انجام دیں، کھیتوں میں آب رسانی کے اہم ذرائع مہیا کئے۔ سرحدوں پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ اور نہریں نکالیں۔ اہلِ چین نے سید اجل کی ان خدمات کا صلہ اس طرح دیا کہ ان کے انتقال پر بطور

یادگاران کے نام سے ایک ہال بنوایا۔ اوران کی مدح وثنا میں اس پر عبارتیں کندہ کرائیں۔ یہ ہال اب تک موجود ہے اور چین کی تمام متداول تاریخوں میں بھی شمس الدین عمر البخاری کی سیرت اوران کے سوانح کا تذکرہ مفصل اور مبسوط طریقہ پر کیا گیا ہے۔

شمس الدین کا جب انتقال ہوا تو انھوں نے پانچ لڑکے اور انیس پوتے چھوڑے یہ سب بلند مناصب اور اونچے عہدوں پر فائز ہوئے ان میں دو لڑکے ناصر الدین اور حسین جو باپ کے قائم مقام تھے یونن کے گورنر بھی ہوئے۔ ناصر الدین اپنے اندر تبلیغی جذبہ بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت کے لئے بڑی جدوجہد کی۔

سید اجل کی اولاد میں سے ہی پندرہویں پشت میں "کتاب مغناطیس الاسلام کے مشہور مصنف اور چین کے مسلمان عالم یکتا "ماشو" ہیں۔ اس کتاب میں لائق مصنف نے اس سے بحث کی ہے کہ اسلامی اور چینی اخلاق میں مطابقت اور موافقت کس حد تک ہے اس کتاب کا سن تصنیف ۱۹۰۵ء ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید اجل اوران کے خاندان کی کوششوں کی وجہ سے چین میں اسلام کی اشاعت بھی بڑے زور شور سے ہوئی اور بیرونی ممالک کے مسلمانوں نے بھی کثیر تعداد میں آ کر یہاں سکونت اختیار کی اور چین کو اپنا وطن بنا لیا۔ نویں اور دسویں صدی کی تاریخی دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں صدیوں میں بھی عربوں کے تجارتی اور سیاسی وفد چین میں کثرت سے آئے تھے اور نیز یہ کہ خاندان منگ (Ming.) کے عہد حکومت میں ۱۳۶۹ء اور ۱۶۵۰ء کے درمیان چین کی اسلامی آبادیوں میں مسجدیں بڑی کثرت سے تعمیر ہوئیں۔ منگ خاندان کے فرمانروایان چین اور مسلمان امراء واعیان کے درمیان نہایت گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے اور اسلامی ممالک کے ساتھ سفراء کا تبادلہ بھی کئی مرتبہ ہوا۔

چین میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی دس ملین سے کم نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ مسلمان صرف

ان مسلمانوں کی اولاد نہیں ہوسکتے جو چین میں وقتاً فوقتاً آکر آباد ہوتے رہے ہیں۔ اس کثیر آبادی کو دیکھکر جو پورے مصر کی آبادی کا دو تہائی حصہ ہے اور سعودی مملکت کی آبادی سے دو چند ہے یہ قیاس کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے کہ چین میں مسلمانوں کو اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے مواقع خوب ملے ہیں۔ اور انھوں نے ان مواقع سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کی چین میں اسلام کی نشر و اشاعت بڑے زور شور سے شروع ہوئی۔ چنانچہ اسی کا اثر ہے کہ آج مسلمانانِ چین میں کثرت ان مسلمانوں کی ہے جو اصل و نسل کے اعتبار سے خالص چینی ہیں ۸۵۹ھ سے قبل شہری نان فو میں کوئی چینی شیخ الاسلام نہیں ہوتا تھا مگر بعد کے زمانہ میں اس کی مثالیں بھی کثرت سے نظر آتی ہیں۔

چینیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو غیر معمولی رواداری اور اُنسیت و تعلق خاطر کا معاملہ کیا اور انھوں نے اسلام کو بھی لبیک کہنے میں فیاضی سے کام لیا۔ اس کی وجہ عموماً یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں اور چین کے مشہور فلسفی "کونفوسیوس" کے افکار و نظریات میں بڑی مشابہت اور مماثلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن چینیوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا وہ بھی اسلام کا بڑا احترام اور ادب کرتے تھے بلکہ ۱۳۳۵ء میں تو فغفور چین نے ایک با قاعدہ شاہی فرمان کے ذریعہ یہ اعلان عام کر دیا تھا کہ اسلام کو "دین حق حنیف" کے لقب سے پکارا جائے چنانچہ آج تک اسلام کو چین میں اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ خود چینی حکومت مساجد بنواتی تھی اور بعض دوسرے کاموں کے لئے زمین کے قطعات وغیرہ بخشتی تھی۔

مینگ خاندان جس نے چین میں ۱۳۶۹ء سے ۱۶۵۰ء تک حکومت کی۔ اس خاندان کے بانی نے شاہی فرامین کے ذریعہ مسلمانانِ چین کیلئے مزید شہری حقوق اور خاص رعایتوں کا اعلان کیا تھا۔ ۸۲۳ھ میں فغفور چین نے اپنے حکم سے چین کے دو بڑے شہروں سی نان فو اور نانکنگ میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔

سنہ ۹۰ھ سے کچھ قبل سید علی اکبر نامی ایک تاجر چند سال کے لئے شہر پکین میں آکر رہا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے چین کے ہر بڑے شہر میں مسلمانوں کو بڑی تعداد میں پایا ہے وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کو چینیوں سے الگ کوئی خاص ٹیکس ادا کرنا نہیں پڑتا اور شہر پکین میں چار بڑی بڑی اور دوسرے علاقوں میں نوے جامع مسجدیں ہیں۔ مسلمانوں کو تجارت وغیرہ کی مکمل آزادی ہے۔ ان سے مال کی درآمد و برآمد پر کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا۔

علاوہ ازیں خاندان مینگ کے بانی کا ایک شاہی فرمان بھی پتھر پر کندہ کیا ہوا دست یاب ہوا ہے جس میں چین کی گورنمنٹ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مقررہ تحفے تحائف دیئے جائیں، تمام اطراف میں سے دو طرفوں میں مسجدیں تعمیر کرائی جائیں۔ اگر کوئی مسجد مرمت طلب ہو، یا منہدم ہو جائے تو اس کی اصلاح و مرمت کا پورا خرچ چینی گورنمنٹ برداشت کرے اور مسلمانوں کو چین کے ایک علاقہ میں سے کسی دوسرے علاقہ میں آنے جانے اور تجارت کرنے کی پوری آزادی دی جائے۔ مال کی درآمد و برآمد کے سلسلہ میں ان پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔

چینیوں اور مسلمانوں کے یہ باہمی دوستانہ تعلقات جس طرح خاندان مینگ کے عہد حکومت میں رہے۔ اسی طرح اس کے بعد خاندان مانشو کے عہدِ حکومت میں بھی یہ روابط قائم رہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق فرمانروائے چین کے اس فرمانِ شاہی سے ہوتی ہے جو اس نے سنہ ۱۱۴۲ھ میں اہلِ ملک کے نام جاری کیا تھا۔ اس فرمان میں فغفور چین صاف و صریح لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ "صدیوں سے ہمارے ملک کے ہر گوشہ میں مسلمانوں کی تعداد کثیر پائی جاتی ہے۔ اب یہ سب لوگ میرے ہی قوم کے افراد ہو گئے ہیں اور میں ان مسلمانوں کو بھی اپنی ایسی ہی اولاد سمجھتا ہوں جیسا کہ دوسروں کو سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ بھی ایسے ہی اخلاق و صفاتِ حسنہ کے مالک ہیں جیسے کہ خود چینی ہیں۔ پھر ان میں سے جو لوگ حکومت کے بڑے بڑے فوجی اور انتظامی (ملٹری اینڈ سول) عہدوں پر رہے ہیں انھوں نے حسن کارکردگی کے ایسے

عمدہ نمونے پیش کئے ہیں کہ وہ چین کی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان چینیوں کے ہی حقیقی افراد ہیں اور اس بنا پر ہم اعلان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے دینی معاملات میں بالکل آزاد رکھا جائے اور اُن پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ لگائی جائے۔"

فغفورِ چین کے مذکورہ بالا اعلان کے تیس برس بعد چین کے مشہور شہنشاہ کین لونگ نے اس اعلان کی پھر عملی تجدید کی۔ کین لونگ کے عہد حکومت کے کچھ عرصہ بعد چین کی مرکزی حکومت نے مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کر کے انھیں بغاوت کرنے پر مجبور کر دیا۔ ۱۲۷۱ھ سے ۱۳۱۴ء تک یہاں کے حالات بہت پیچیدہ اور پریشان کن رہے لیکن آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود چینیوں نے مانشو خاندان کے ہاتھوں سے حکومت کی باگ ڈور چھین لی۔

اس کے بعد جب چین میں جمہوری حکومت کا دور دورہ شروع ہوا تو اس حکومت کی طرف سے بھی مسلمانوں کو ہر قسم کے شہری اور معاشرتی حقوق اور مکمل مذہبی آزادی دی گئی اور اس کے لئے صدرِ جمہوریہ سن یاتسن نے ایک رسمی اعلان شائع کر کے مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ اپنی تمام قابلیتوں اور صلاحیتوں کے ساتھ حکومت کے چلانے میں مدد دیں۔ مسلمانوں نے حکومت کی اس درخواست کو بخوشی منظور کیا اور انھوں نے اپنے خاص دینی کاموں کے علاوہ ملکی اور وطنی کاموں میں بھی ابنا وطن کے دوش بدوش حصہ لینا شروع کر دیا۔

۱۹۱۰ء میں پیکن سے مسلمانوں نے "الجریدۃ الوطنیہ" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا اور ۱۹۲۳ء میں "جمعیۃ التقدم الاسلامی" کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی۔ پھر چین کی تین یونیورسٹیوں یعنی "تیشون کینگ" اور "کن ہینگ" اور "ہن ٹشونگ" کی یونیورسٹیوں میں عربی زبان وادب کی تعلیم کے لئے ایک مستقل شعبہ (Chair) کا اضافہ کیا گیا۔ غرض یہ ہے کہ چینیوں اور مسلمانوں میں جو روابط اور ملکی و وطنی اتحاد کی وجہ سے جو باہمی اشتراکِ عمل پایا جاتا ہے۔ آج یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جاپان کے مقابلہ میں پورا ملک چین جس میں مسلمانوں کی بھی غیر معمولی تعداد ہے ایک دیوارِ آہن کی طرح مضبوطی اور یک جہتی سے کھڑا ہے۔

(المجتمع العربی ج ۳ نمبر ۱۴) م ۔ ح